



## سوال

(717) نماز کے بعد باجماعت دعا

## جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب من نماز کے بعد باجماعت دعا کے متعلق آپ کا فتویٰ ”الاعتصام“ میں شائع ہوا تھا جس کے مطابق باجماعت نماز کے بعد باجماعت دعا مانگنے کی کوئی صحیح حدیث معلوم نہ ہونے کا ذکر تھا۔ جس کی بناء پر بندہ نے نماز کے بعد باجماعت دعا ترک کر دی۔ مگر ہمارے ایک عزیز نے ”صلوۃ الرسول“ مصنف مولانا محمد صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ سے باجماعت دعاء کا ثبوت پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب کے مطلوبہ صفحہ کی فوٹو کاپی ساتھ ارسال کر رہا ہوں۔ براہ کرم اس صفحہ کا جائزہ لے کر یہ ارشاد فرمائیں کہ کیا ان احادیث یا ضعیف احادیث سے اس طرح کے عمل کیے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ یا ان ضعیف احادیث کے ملنے سے کوئی عمل جائز ہو سکتا ہے۔ جن احادیث کے خلاف کوئی صحیح حدیث نہ ملتی ہو؟

صلوۃ الرسول کی عبارت: ”فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا۔“ درست ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نَا مِنْ عَبْدِ بَسَطَ كَفَّيْهِ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ، ثُمَّ يَقُولُ: اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ، وَاللهِ اِبْرَاهِيْمَ، وَاسْحٰقَ، وَيَعْقُوْبَ، وَاللهِ جِبْرِيْلَ، وَمِيْكَائِيْلَ، وَاسْرَافِيْلَ - اَسْأَلُكَ تَسْتَجِيْبَ دَعْوَتِيْ فَاِنِّيْ مُضْطَرٌّ، وَتَعْصِيْمِيْ فِيْ دِيْنِيْ، فَاِنِّيْ مُتَيْسِّرٌ، وَتَنَاقُلِيْ بِرَحْمَتِكَ - فَاِنِّيْ زَنْبٌ، وَتَنْفِيْ عَنِّيْ الْفَقْرَ فَاِنِّيْ زَنْبٌ، وَتَنْفِيْ عَنِّيْ الْفَقْرَ فَاِنِّيْ مُتَمَسِّكٌ اِلَّا كَانَتْ حَقًّا عَلَيَّ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ اَنْ لَا يَرُدِّيْهِ خَائِبًا تَسْتَجِيْبُ عَمَلِ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ لَا اِيْنَ سُنِي

”جو بندہ ہر نماز کے بعد اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ وَاللهِ اِبْرَاهِيْمَ... اِلَى آخِرِهِ“ تو خدا تعالیٰ اس کے ہاتھوں کو نہیں پھیرتا نامراد۔“

حضرت عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

’صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ الْفَجْرَ فَلَمَّا سَلَّمَ اَنْحَرَفْتُ، وَرَفَعْتُ يَدَيَّ وَدَعَا...‘

”میں نے رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو قبلہ کی طرف سے منہ پھیر کر (مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر) دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔“ فتاویٰ نذیریہ، بحوالہ ابن ابی شیبہ

ملاحظہ: معلوم ہوا کہ امام کا سلام پھیر کر مقتدیوں کی طرف منہ کر کے دعا مانگنا درست ہے۔

## الجواب بعون الوهاب بشرط صحیحہ السؤال

و علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الحمد لله، والصلاة والسلام على رسول الله، أما بعد!

فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کے جواز کے سلسلہ میں جناب محمد آصف عزیز سلفی نے ہمیں کتاب ”صلوة الرسول صلی اللہ علیہ وسلم“ مؤلف مولانا محمد صادق سیالکوٹی مرحوم کے دو صفحات کی فوٹو سٹیٹ ارسال کی ہے۔ جن میں بزرگ خود اس امر کے جواز کا ثبوت ہے۔ اس پر بالاختصار ہماری گزارشات ملاحظہ فرمائیں!

امام ابن سنی کی ”عمل الیوم واللیلیۃ، رقم: ۱۳۸“ کے حوالہ سے نقل کردہ روایت کی سند میں تین علتیں موجود ہیں۔

۱۔ اسحاق بن خالد راوی کے بارے میں ابن عدی نے ”الکامل“ (۳۴۱/۱) میں اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے ”میزان الاعتدال فی نقد اسماء الرجال“ (۱۹۰/۱) میں کہا ہے: ”یہ بہت ساری منکر روایات بیان کرتا ہے۔“ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ضعیف ہے۔

۲۔ اس کی سند میں عبدالعزیز بن عبد الرحمن ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ یہ ثقافت سے بہت ساری مقلوب اور اشبات کی طرف غلط منسوب احادیث بیان کرتا ہے۔ پھر دلائل سے اس امر کی وضاحت کی ہے۔ الجرو حین: ۱۳۸/۲

عبدالاحمد کا بیان ہے ”مجھے میرے والد نے اس کے بارے میں فرمایا: اس کی احادیث کو کاٹ دو۔ یہ جھوٹی ہیں یا یوں فرمایا کہ یہ من گھڑت ہیں۔“ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن عدی سے بیان کیا ہے، کہ عبدالعزیز بن عبد الرحمن کی خصیفت سے بیان کردہ روایات باطل ہیں۔ **تہذیب التہذیب: ۱۳۳/۳**

اس امر کی تصریح خصیفت کے ترجمہ میں کی ہے۔

۳۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”عبدالعزیز نے خصیفت کے واسطے سے انس رضی اللہ عنہ سے منکر حدیث بیان کی ہے اور خصیفت کا انس رضی اللہ عنہ سے سماع معلوم نہیں ہو سکا۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”صدوق سنی الحفظ۔ ضعف احمد۔“ خصیفت صدوق، خراب حافظ والا ہے۔ امام احمد نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ ”الکاشف“ (۲۸/۱) ابن حبان نے کہا ہے، انصاف کی بات یہ ہے، کہ اس کو ترک کر دیا جائے۔ الجرو حین: ۱/۲۸۴

اور دوسری حدیث ابن ابی شیبہ (۳۰۲/۱، رقم: ۳۰۹۳) میں ہے اس کی سند حسن درجہ کی ہے، لیکن اصل کتاب میں ”انصرف“ کے بعد ”ورفع یدہ، ودعا“ کے الفاظ نہیں ہیں۔ لہذا یہ روایت قابل استدلال ہی نہ ٹھہری، اس کے باوجود ان روایات میں مروجہ اجتماعی دعا کا سہہ کرہ تک نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول انفرادی ذکر و اذکار اور دعائیں پڑھنا تھا، جس طرح کہ بہت ساری روایات میں وارد ہے۔ اسی کو لازم پکڑنا چلیے۔ **الخیر کل الخیر فی الاتباع۔**

باقی رہی یہ بات کہ ضعیف حدیث فضائل اعمال میں قابل اعتبار ہے یا ضعیف کے بالمقابل صحیح نہ ہو تو اس پر بھی عمل روا ہے۔ یہ بڑی پُر فریب اور پرکشش بات ہے۔ اس کی آڑ میں بہت سارے لوگ من گھڑت اور موضوع روایات کو لپٹنے لیے سرمایہ افتخار تصور کرتے ہیں، جس طرح کہ واقعات شاہد ہیں۔ بالخصوص روافض اور بریلوی قبوری مسلک کی بنیاد ہی اس پر ہے۔ یہ عقیدہ و مسلک بیش بہا خرابیوں کا باعث اور دین میں اضافہ کا موجب بنا ہے۔ شریعت کی نگاہ میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ چاہے بظاہر کتنا ہی خوبصورت اور مزخرف محل کیوں نہ نظر آئے۔ یاد رہے تار عنکبوت کا سہارا لینا دراصل بدعات و خرافات کا دروازہ کھولنا ہے۔ جو سراسر خسارے کا سودا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”جو شے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دین نہ تھی۔ وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔“

اصل صورت حال یہ ہے، کہ ضعیف روایات پچاس سے زائد اقسام پر مشتمل ہیں۔ جن کی طرف حافظ ابن الصلاح نے ”علوم الحدیث“ میں اشارہ کیا ہے اور ”توضیح الافکار شرح تنقیح الأنظار“ میں اس کی جملہ تقاسیم کی تفصیل موجود ہیں، جن کی معرفت سے ارباب ذوق کے لیے صحیح منزل کا تعین کرنا سہل و آسان ہو جاتا ہے۔ ویسے محققین اہل علم تو مطلقاً ضعیف روایت کو ناقابل عمل تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ اصول حدیث کی مشہور کتاب ”قواعد التہذیب“ میں علامہ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ”ائمہ حدیث کی ایک جماعت اس

طرف گئی ہے کہ ضعیف پر عمل مطلقاً ناجائز ہے۔ (خواہ مسئلہ وجوبی ہو یا استنباطی) ان میں سے ابن معین، بخاری، مسلم، ابو بکر ابن العربی وغیر ہم ہیں۔ ابن حزم کی بھی یہی تحقیق ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ائمہ میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ کسی ضعیف حدیث سے کسی شنیٰ کو واجب یا مستحب قرار دینا جائز ہے اور جو یہ کہتا ہے، وہ اجماع کی مخالفت کرتا ہے۔ القاعدة الجلیلیہ، ص: ۸۴“

اور نواب صدیق حسن خاں اپنی عربی تفسیر ”فتح البیان فی مقاصد القرآن“ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں: ”وہ شخص غلطی پر ہے، جو عقیدہ رکھے کہ فضائل اعمال میں ضعیف احادیث کو بھی لینا جائز ہے اب ہم بعض محدثین کی ضعیف احادیث کی روایت اور شرائط پر بعض گزارشات پیش کرتے ہیں۔ حافظ سخاوی رحمہ اللہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے حوالہ سے فرماتے ہیں: ہم نے اپنے اُستاد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے کئی بار سنا اور انہوں نے مجھ اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیا کہ ضعیف حدیث پر عمل کے لیے تین شرطیں ہیں۔ پہلی جس پر اتفاق ہے یہ ہے، کہ ضعیف شدید نہ ہو، تاہم جھوٹوں اور جھوٹ کے ساتھ متہم، اور جن سے روایت حدیث میں بڑی غلطیاں ہوئیں، سے امتراز ہو جائے اور دوسری یہ ہے کہ وہ حدیث ایک عام اصل کے تحت ہو، تاہم جس حدیث کا کوئی اصل صحیح ثابت نہ ہو، اس سے بچا جاسکے۔ تیسری شرط یہ ہے، کہ اس حدیث پر عمل کرتے وقت اس کے سنت ہونے کا عقیدہ نہ ہو، کیونکہ اس طرح رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وہ بات منسوب ہو جائے گی، جو آپ نے نہیں فرمائی۔“

ان شرائط کی علیحدہ علیحدہ تشریح بھی پیش خدمت ہے۔ پہلی شرط کا معنی یہ ہے، کہ ضعیف حدیث پر عمل کے لیے حدیث کی حالت کی واقفیت ضروری ہے، تاہم کہ شدید ضعیف سے بچا جاسکے۔ اس شرط کو پیش نظر رکھ کر غور فرمائیے، کہ ہمارے ہاں آج وہ لوگ کتنی تعداد میں ہیں، جو احادیث کی صحت کے معیار کو سامنے رکھ کر گفتگو کر سکیں۔ خصوصاً احوال رواۃ کے سلسلہ میں جب مختلف ائمہ کی طرف سے جرح و تعدیل کا اختلاف ہوتا ہے، تو اس میں ترجیح دینا کتنا مشکل امر ہے؟ کجا یہ کہ راوی کی عدالت اور ضبط کی باریکیوں کو سامنے رکھ کر معیار حدیث کے متعلق کوئی پختہ رائے قائم کی جائے۔ ہم یہ نہیں کہتے، کہ یہ کام ناممکن ہے، لیکن یہ بات ماننی پڑے گی کہ اس معیار کا فیصلہ کر سکنے والے بہت کم لوگ ہوں گے۔ تیسرا ضعیف شدید اور ضعیف خفیف کا امتیاز مٹ جائے گا اور بیشتر دفعہ ضعیف شدید نظر انداز کر دیا جائے گا۔

اور دوسری شرط کا معنی یہ ہے، کہ ضعیف حدیث میں مذکور مسئلہ کا اصل صحیح حدیث سے ثابت ہو، مثلاً کوئی عمل اصلاً تو صحیح حدیث سے مشروع ہے، لیکن اس پر ثواب کا ذکر ضعیف حدیث میں آیا ہو۔ غور فرمائیے! کہ بات عمل کی ہو رہی تھی اور عمل صحیح حدیث سے مشروع ہے۔ حالانکہ ثواب کا تعلق انسان سے نہیں، وہ ا کے ہاتھ میں ہے۔ ضعیف احادیث پر عمل سے کیا فرق پڑا؟ اصل عمل تو صحیح حدیث پر ہے ضعیف پر نہیں۔

تیسری شرط پر عمل کا مطلب یہ ہے، کہ ضعیف خفیف کے باوجود اس مسئلہ پر عمل کرتے وقت اس کے شرعی ہونے کا عقیدہ نہ رکھے، کیونکہ شرع کے ثبوت کے لیے رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل صحیح اور ثبوت ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا شرائط سے نتیجہ یہ نکلتا ہے، کہ صحیح حدیث کے علاوہ ضعیف پر عمل جائز نہیں۔ مسئلہ ہذا پر سیر حاصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو! ماہنامہ محدث لاہور جلد ۹ عدد: ۱-۲، میٹا لٹریچر شدہ ہمارا تفصیلی فتویٰ ”بعض آیات قرآنی کا جواب“ (ص: ۲۳۴)

اس فتویٰ کا امتیازی پہلو یہ ہے، کہ یہ اہل علم کی مختلف تحریروں اور نظریات کے علاوہ نقد و تبصرہ سے مزین ہے۔ لاحق اور وارث شوک و شہادت کا علمی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

## فتاویٰ حافظ ثناء اللہ مدنی

کتاب الصلوٰۃ: صفحہ: 605



## محدث فتویٰ